13

احباب 31 مئی تک چندہ تحریک جدید کے وعدے پورے کردیں

(فرمودہ 15 مئی 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"مَیں آج جماعت کو پھر ایک دفعہ تحریک جدید کے چندوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ نئے سال کی تحریک پر چھ ماہ کے قریب گزر گئے ہیں اور گویا وعدوں کی تاریخ کے لحاظ سے میعاد میں سے صرف چھ ماہ باقی ہیں۔ مجھے اس بات سے مسرت ہے کہ اس دفعہ دوستوں نے پہلے بعض سالوں کی نسبت زیادہ مستعدی سے اپنے چندے ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور پچھلے سال کی نسبت اس سال انہوں نے پچاس فیصدی زیادہ جلدی سے چندے ادا کئے ہیں۔ گویا گزشتہ سال اگر آج کی تاریخ تک جماعت نے سو روپیہ ادا کیا تھا تو اس سال ڈیڑھ سو ادا کیا ہے۔ مگر پھر بھی پہلے چھ ماہ میں کہ یہی درحقیقت زیادہ زور کے ساتھ کام کرنے کے مہینے ہوتے ہیں۔ ابھی تک نصف وعدے ادا نہیں ہوئے۔ گویا باوجود پچاس فیصدی ادائیگی میں زیادتی کے وعدوں کا نصف ابھی تک ادا نہیں ہوا بلکہ قریب چالیس فیصدی کے ادا ہوا ہے۔

پس جہاں یہ بات موجبِ مسرت ہے کہ گزشتہ سالوں کی نسبت کہ جن میں گزشتہ سال بھی مستعدی کا سال تھا کیونکہ اس سال اس سے گزشتہ سالوں کی نسبت دوستوں نے زیادہ مستعدی اور چُستی سے کام لیا تھا۔ اس سال اس مستعدی اور چستی کے سال سے بھی پچاس فیصدی زیادہ دوستوں نے ہمت دکھائی ہے مگر وعدوں کے لحاظ سے ابھی کمی ہے چونکہ وعدہ کی غرض

اسے جلد سے جلد پورا کرنا ہوتی ہے۔ اس لئے پہلے چھ ماہ میں کم سے کم وعدوں کا ساٹھ پینسٹھ فیصدی ادا ہو جانا چاہئے مگر ادائیگی اب تک ہوئی ہے 42 فیصدی کے قریب۔

جیسا کہ مَیں نے کئی بار دوستوں کو توجہ دلائی ہے اس روپیہ سے ہماری جماعت کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت بڑی جائداد خریدی جارہی ہے جس کی قسطیں ادا کی جارہی ہیں اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب اس پر خرچ آتا ہے اگر ہم یہ قسطیں ادا کر کے اس جائداد کو چھڑانے کے قابل ہو جائیں تو عام قیمتوں کے لحاظ سے بھی یہ پندرہ سولہ لاکھ روپیہ کی جائداد ہو جاتی ہے اور اگر صحیح طور پر آبادی کی جاسکے تو یہ بیس بائیس لاکھ روپیہ کی جائداد ہو گی اور یہ جائداد گویا ایک ایسا ریزرو فنڈ ہو جائے گا کہ جس سے تحریک جدید کے مستقل اخراجات پورے کئے جاسکیں گے اور مبلغوں کو دنیا میں پھیلایا جاسکے گا لیکن اگر دوست اس وقت چستی اور ہمت سے کام نہ لیں تو یہ بوجھ بالکل بے کار اور بے سود ثابت ہو گا کیونکہ وقت پر اگر قسطیں ادا نہ ہوں تو گورنمنٹ زمین کو ضبط کر سکتی ہے اور بعض دفعہ بڑے بڑے تاوان ڈال دیتی ہے۔

پس چونکہ یہ اقساط مئی میں ادا کی جاتی ہیں۔ مَیں پچھلے سالوں میں بھی دوستوں کو یہ تحریک کرتا رہا ہوں کہ وہ 31، مئی تک اپنے وعدے ادا کرنے کی کوشش کریں اور اب تو مئی کے ختم ہونے میں بہت ہی تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ پھر بھی جن کو خدا تعالیٰ نے عزم اور ہمت دی ہے وہ ان تھوڑے دنوں میں بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

زمیندار احباب کے لئے جون کے آخر تک مدت مقرر ہے اور اگر وہ بھی ہمت کریں تو اپنے وعدوں کا بہت سا حصہ ادا کر سکتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس زمانہ میں قحط کی وجہ سے بوجھ بہت ہیں مگر اس میں بھی شک نہیں کہ جس وقت انسان کو تباہی کے آثار نظر آتے ہیں تو قربانی کی روح بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ ذلیل ترین وجود بھی ایسے وقت میں بڑی بڑی قربانیاں کر دیتے ہیں ہمارے ملک میں ہر سال یہ سوال علماء وفقہاء کے سامنے پیش ہوتا ہے کہ کوئی کنچنی مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ دینا چاہتی ہے اسے قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بھی یہ سوال بار بار پیش ہوتا رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر سال ہی کچھ کنچنیاں مرتے وقت دین کے لئے اپنی جائداد یا روپیہ وقف کرنا چاہتی ہیں۔ دیکھو انہوں نے یہ روپیہ کتنی بے حیائی سے کمایا ہوتا ہے، وہ عصمت فروشی روپیہ کے لئے ہی کرتی ہیں مگر جب موت سامنے آتی ہے تو وہی روپیہ جس کی خاطر انہوں نے خاندان کی ناک کٹوائی، جس کی وجہ سے وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے سامنے آتے ہوئے شرماتی ہیں اور جس کی وجہ سے وہ شرفاء میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں ہوتیں ان میں سے بعض جب مرنے لگتی ہیں تو منتیں کرتی ہیں کہ یہ روپیہ لے لو اور کسی دینی کام پر خرچ کر دو۔ تو اگر کنچنی بھی مرتے وقت خَشْیَتُ اللّٰہِ سے اتنی متاثر ہو جاتی ہے تو مومنوں پر کتنا اثر ہونا چاہیئے۔ جتنا جتنا قرب کسی کو اللہ تعالیٰ کا حاصل ہوتا ہے اتنا ہی ایسے موقع پر اس کے دل میں خشیت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ جب بادل آتا تو آپ گھبرا کر کبھی کمرہ کے اندر جاتے کبھی باہر آتے۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیا بات ہے۔ آخر یہ بادل ہی ہیں ان سے گھبرانے کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک یہ بادل ہیں مگر تم سے پہلی قوموں پر بھی ایسے بادل آتے تھے اور وہ ان کو دیکھ کر خوش ہوتی تھیں مگر بعض بادل ہی ان کے لئے عذاب ثابت ہوئے اور ان کو تباہ کر گئے۔[1] ہمارے ملک میں دیکھو جب گرمیوں میں بادل آئیں تو لوگ کس طرح خوش ہوتے ہیں اور بعض لوگ خوشی سے گاتے ہیں۔ بچے خوش ہو ہو کر اچھلتے اور کودتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا رسول (ﷺ) جس نے خدا کے کلام میں یہ پڑھا تھا کہ کبھی ان بادلوں سے پتھر بھی برسنے لگتے ہیں اور یہی بادل کبھی عذاب کا موجب بھی بن جایا کرتے ہیں، بادلوں کو دیکھ کر گھبراہٹ میں کبھی باہر آتا، کبھی کمرہ کے اندر جاتا اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا کہ اس کے غضب کا بادل نہ آئے اور رحمت کی بارش ہو۔ پس اگر ہمارے آقا و سردار کو بادل دیکھ کر اس قدر گھبراہٹ ہوتی تھی تو ہمیں ان عظیم الشان فوجوں کے بادلوں کو دیکھ کر جو ہماری جانب بڑھتے چلے آرہے ہیں کتنی گھبراہٹ ہونی چاہیئے جن کا مقصدِ وحید ہی یہ ہے کہ اپنے گولوں اور بموں سے جس قدر زیادہ سے زیادہ

لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار سکیں، اتار دیں۔ بادل دنیا میں اکثر رحمت کا اور کبھی کبھی عذاب کا موجب ہوا کرتے ہیں۔ ایک لاکھ میں سے شاید کوئی ایک بادل تکلیف کا موجب ہوتا ہو مگر فوج اور لشکر کوئی بھی رحمت کا موجب نہیں ہوتا۔ وہ جب بھی آتے ہیں تباہیاں ساتھ لاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۔[2] یعنی جب بھی کوئی نئے بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں وہ ان کو خراب کر دیتے ہیں اور اس ملک کے معزز لوگوں کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں۔ دنیا کی تمام تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی تو کسی بادشاہ کی نہیں ملتی کہ جو کسی ملک میں داخل ہوا ہو اور اس نے وہاں کے نظام کا تختہ نہ الٹ دیا ہو۔ اس سلسلہ میں بعض نادان آنحضرت ﷺ کا نام لیا کرتے ہیں مگر وہ جانتے نہیں کہ آنحضرت ﷺ بادشاہ نہ تھے بلکہ آپ اس لفظ کو نفرت و حقارت سے دیکھتے اور خدا سے دور اور لوگوں پر ظلم کرنے والے کے معنوں میں اسے استعمال فرماتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم بھی کبھی کبھی آپ کے متعلق بادشاہ کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں مگر یہ تو صرف اپنے اوپر آپ کی حکومت جتانے کے لئے ہے اور یہ اس لفظ کا مجازی استعمال ہے جیسے کبھی کوئی اپنے محسن کو باپ کہہ دیتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ اسے اپنی ماں کا خاوند بناتا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کو ہم جو کبھی بادشاہ کہہ لیتے ہیں تو صرف مجازی رنگ میں ورنہ دنیوی مفہوم کے لحاظ سے آپ کو بادشاہ کہنا ویسا ہی ہے جیسے آپ کو گالی دے دی جائے۔ ہاں حاکم ہونے کے لحاظ سے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہمارے دلوں پر آپ کی حکومت ہے اگر آپ کو کبھی بادشاہ کہہ لیا جائے تو یہ اَور بات ہے ورنہ بادشاہوں میں اور آپ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح آپ کے خلفاء بھی بادشاہ نہ تھے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ان میں سے کوئی بھی بادشاہ نہ تھا۔ ہم ان کو بھی جو کبھی بادشاہ کہہ لیتے ہیں تو یہ بھی مجازی رنگ میں ہے جیسے گو موجودہ زمانہ کی پیری مریدی کے لحاظ سے ہم اسے بہت برا سمجھتے ہیں مگر اس لحاظ سے کہ جماعت کے دوستوں نے میری بیعت کی ہوئی ہے۔ یہ لفظ ہمارے لٹریچر میں بھی استعمال شدہ مل جائے گا۔ مگر یہ صرف نسبت بتانے اور سمجھانے کے لئے ہوتا ہے ورنہ ہم اسے بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح

رسول کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اپنے اوپر حکومت جتانے کے لئے آپ کے متعلق بادشاہ کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں ورنہ دنیا کے نزدیک اس کا جو مفہوم ہے اس کے لحاظ سے آپ کے متعلق اس کا استعمال ہر گز جائز نہیں۔ پس جو لوگ آپ کی مثال پیش کرتے اور کہتے ہیں کہ آپ جب مکہ میں داخل ہوئے تو وہاں امن و امان رہا نادان ہیں۔ کیونکہ یہ فعل ایک اولوالعزم رسول کا تھا بلکہ نبیوں کے سردار کا، کسی بادشاہ کا فعل نہ تھا ورنہ کوئی امن پسند اور عادل بادشاہ بھی جب کسی ملک میں داخل ہو تو وہ نیا نظام قائم کرتا ہے۔ یوں تو نظام کے لحاظ سے انبیاء بھی تغیر کرتے ہیں مگر ان کا تغیر خیر کا ہوتا ہے۔ مکہ کی حکومت آنحضرت صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے داخل ہونے کے بعد ویسی نہ تھی جیسے آپ سے پہلے تھی بلکہ اس سے بہت زیادہ بہتر اور اچھی تھی۔ مگر آنحضرت صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے قبل جن لوگوں کا مکہ میں اثر و رسوخ تھا وہ آپ کے بعد قائم نہ رہا گو آپ نے ان لوگوں کو اس سے محروم نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ [3] لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا اثر و رسوخ چھین لیا۔ آپ نے ابو جہل، عتبہ اور شیبہ کی جائدادیں نہیں چھینیں اور ان پر کوئی تعدی نہ کی مگر وہ لوگ چونکہ اللہ تعالیٰ کے مجرم تھے اس نے ان کا رسوخ چھین لیا۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے رحم کی وجہ سے ایسا نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ ہمارے مجرم ہیں ہم ان کی شوکت چھین لیں گے۔ باوجودیکہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان پر کوئی عتاب نازل نہ کیا بلکہ کرم اور بخشش کا سلوک کیا اور ان لوگوں پر بہت احسان کئے چنانچہ بعد کی جنگوں میں آپ نے ان لوگوں اور ان کی اولادوں کو سینکڑوں اونٹ دیئے مگر پھر بھی ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جسے وہی عزت حاصل رہی ہو جو پہلے تھی۔ پہلے تو وہ لوگ آنحضرت صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بھی اپنا تابع اور ماتحت سمجھتے اور دنیوی لحاظ سے آپ کو اپنے سے ادنیٰ خیال کرتے اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ اس لئے کیا ہے کہ ہماری سرداری چھین لیں اور ہم پر حاکم ہو جائیں مگر آخر ایک دن ایسا آیا کہ آپ کے ایک ادنیٰ غلام اور خادم حضرت عمرؓ مکہ میں حج کرنے کے لئے داخل ہوئے تو وہی لوگ جو اپنے آپ کو مکہ کے حاکم سمجھتے تھے اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو حقیر خیال کرتے تھے ان کے ایک ادنیٰ غلام عمرؓ کہ جو اُس وقت مسلمانوں کا بادشاہ تھا مگر انہی دینی معنوں

میں جو مَیں اوپر بیان کر چکا ہوں مکہ میں آیا تو مکہ کے انہی سرداروں کے بیٹے آپ سے ملنے کے لئے آئے تا ان کی اطاعت کا اقرار کریں۔ آپ زمین پر بیٹھے تھے جب یہ لوگ آئے تو آپ نے ان کا اعزاز کیا اور ان سے ہمکلام ہوئے۔ اسی دوران میں ان غلاموں میں سے جن کو ان نوجوانوں کے باپ دادا نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جن کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے پاؤں میں رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹتے تھے، ان پر کتّے چھوڑ دیتے تھے، گرم ریت پر لٹا کر سینہ پر وزنی پتھر رکھ دیتے تھے اور اس قدر مارتے تھے کہ ان میں سے بعض کی کھال ایسی سخت ہو گئی تھی جیسے بھینسے کی کھال ہوتی ہے اور جن کو ٹھوکریں مار کر بھی یہ خیال کرتے تھے کہ ہم نے ان کی عزت اَفزائی کی ہے۔ ان میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے آیا، حضرت عمرؓ نے ان سرداروں کے بیٹوں سے کہا کہ ان کے لئے جگہ چھوڑ دو اور ان سے توجہ ہٹا کر ان سے باتیں کرنے لگے۔ پھر انہی غلاموں میں سے کوئی اَور آیا تو آپ نے پھر ان نوجوانوں سے فرمایا کہ ان کے لئے جگہ چھوڑ دو اسی طرح مہاجرین اور انصار میں سے بھی بعض وہ لوگ جن کو مکہ کے رؤساء نہایت حقیر اور ذلیل خیال کرتے تھے، ایک ایک کر کے آتے گئے اور ہر ایک کے آنے پر حضرت عمرؓ ان لوگوں سے کہتے کہ ان کے لئے جگہ چھوڑ دو حتّٰی کہ ہٹتے ہٹتے یہ لوگ جوتیوں میں پہنچ گئے۔ آخر جب یہ نوجوان مجلس سے باہر آئے تو ایک دوسرے سے کہا کہ آج ہماری جو ذلّت ہوئی ہے وہ تم نے دیکھ لی۔ اس پر ان میں سے ایک نے جو زیادہ سعید تھا کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ بہت ذلّت ہوئی، مگر یہ قصور کس کا ہے؟ جس وقت ہمارے باپ دادا آنحضرت ﷺ کو طرح طرح کے دکھ دیا کرتے تھے یہ لوگ آپ کے لئے سینہ سپر ہوتے تھے۔ اس لئے اس نظام میں جو خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ذریعہ قائم کیا ہے پہلی جگہ انہی لوگوں کو مل سکتی ہے ہم کو نہیں۔ اس پر انہوں نے آپس میں پوچھا کہ اس ذلّت کو دھونے کا کوئی ذریعہ بھی ہے۔ آخر انہوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا چلو حضرت عمرؓ سے ہی اس کا علاج بھی دریافت کرتے ہیں۔ وہ پھر حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ آج کا نظارہ آپ نے دیکھ لیا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔

مَیں سمجھتا ہوں، آپ لوگوں کو ضرور تکلیف ہوئی ہو گی مگر وہ لوگ آنحضرت ﷺ کے صحابی تھے اور آپ ان کی عزت کیا کرتے تھے اس لئے مَیں مجبور تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم اس بات کو تو سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کا وہی مقام تھا جو آپ نے ان کو دیا اور ہمارا وہی تھا جو ہمیں حاصل ہوا مگر ہم تو یہ پوچھتے ہیں کہ اب ہمارے گناہوں کا بھی کوئی کفارہ ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ اسلامی ممالک کی سرحد پر جنگ ہو رہی ہے اگر تم لوگ جاؤ اور اپنی جانیں اسلام کے لئے دے دو تو خدا تعالیٰ کے دربار میں اسی طرح تمہارے گناہوں کا ازالہ ہو سکے گا۔ معلوم ہوتا ہے وہ سب کے سب سچے مسلمان تھے ایمان کی قدر و قیمت کو سمجھتے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ ان کا خدا ان سے راضی ہو۔ چنانچہ وہ فوراً اپنی اپنی اونٹنیوں پر سوار ہوئے اور جنگ کے میدان میں جا پہنچے اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہ آیا اور سب کے سب شہید ہو گئے۔[4] اور گو ان کے باپ دادا نے تو ان کے لئے ذلّت مول لے لی تھی مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کے دربار میں عزت حاصل کر لی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو آنحضرت ﷺ کے ذریعہ عزت ملی تھی۔

پس یہ بادشاہت اَور قسم کی ہے اور روحانی ہے مگر اس میں بھی جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہے خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے ماتحت ضرور تغیرات ہوئے اور پہلی عزتیں ضرور برباد ہوئیں۔ پس جب کسی نظام میں تبدیلی ہو خواہ روحانی ہو یا جسمانی، تغیرات ضرور ہوتے ہیں، خواہ اچھے ہوں یا بُرے۔ نئے قوانین بنتے اور نئے اصول وضع ہوتے ہیں اس لئے آجکل جو تغیرات دنیا میں ہو رہے ہیں ان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ معمولی ہیں نادانی ہے۔ سینکڑوں سالوں سے دنیا پر کبھی اتنی تباہی نہیں آئی جتنی اب آ رہی ہے۔

پس مَیں ان دوستوں کو جو متبع رسول کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں توجہ دلاتا ہوں کہ تمہارا آقا بادل کو دیکھ کر خشیت اللہ سے بھر جاتا تھا تو تمہارے قلوب اتنے بڑے طوفانوں کو دیکھ کر کیوں خشیت اللہ سے بھر نہ جانے چاہئیں اور کیوں تمہاری قربانیاں پہلے سے بہت بڑھ نہ جانی چاہئیں۔ جن لوگوں سے اب تک کوتاہی ہوئی ہے مَیں ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ

زیادہ ہمت اور زیادہ مستعدی سے کام لیں اور جو کوئی رکاوٹ ان کے رستہ میں ہو اسے دور کریں تا اللہ تعالیٰ ان طوفانوں میں سے ان کے لئے اور ان کی اولادوں کے لئے بہتری کے سامان پیدا کرے اور تا ایسا نہ ہو کہ یہ طوفان ان کے لئے عذاب کا موجب بن جائیں۔"

(الفضل 19 مئی 1942ء)

1: ابوداؤد کتاب الادب باب مَا یَقُوْلُ اِذَا ھَاجَتِ الرِّیْحُ

2: النمل: 35

3: السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 89 مطبوعہ مصر 1935ء

4: اسد الغابة جلد 2 صفحہ 372 مطبوعہ ریاض 1285ھ